مطالعہ حدیث کورس
ایمانیات (ب)
www.KitaboSunnat.com
دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
3

مطالعہ حدیث - (خط و کتابت کورس)

یونٹ (3) ایمانیات (ب)

۳۔ تقدیر پر ایمان

۴۔ فرشتوں پر ایمان

۵۔ آسمانی کتابوں پر ایمان

شعبہ اسلامی خط و کتابت کورسز

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

پوسٹ بکس نمبر 1485 اسلام آباد

فون: 9261751-54

فیکس: 261648, 250821

ای میل: dawah@isb.compol.com

نام کورس	....	مطالعہ حدیث
یونٹ نمبر	....	3
مؤلف	....	مولانا حبیب الرحمان
ناشر	....	دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد' پاکستان
مطبع	....	ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد
سن اشاعت	....	۲۰۰۰ء

فہرست مضامین

پیش لفظ

انیسویں اور بیسویں صدی میں غیر مسلم اور مسلم مستشرقین کے ذہن جن بنیادی مسائل کے حل میں مصروف رہے ان میں حدیث کی تاریخی اور تشریعی حیثیت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ دلچسپی ایک لحاظ سے ان کے پیش رو مستشرقین کی سرگرمیوں میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب تحقیق کا موضوع سابقہ محققین کی طرح شخصیت اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی، غزوات اور سیاسی اصلاحات کے بارے میں سوالات اٹھانا اور شکوک و شبہات کو پیدا کرنا نہ رہا بلکہ اب خود حدیث، اس کی جمع و تدوین، اس کی ثقاہت اور تاریخی و تشریعی حیثیت کو بنیادی موضوع بنایا گیا چنانچہ Goldzeha ، Guillau me اور sehacht نے دین اسلام کے دو بنیادی ماخذ میں سے ایک کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے مغربی ذرائع علم اور اپنے زیر تربیت مسلم محققین کو بڑی حد تک یہ بات باور کرادی کہ حدیث کی حیثیت ایک غیر معتبر تاریخی بلکہ قیاسی بیان کی سی ہے، اس میں مختلف محرکات کے سبب تعریفی و توصیفی بیانات کو شامل کر لیا گیا ہے اور بہت سی گردش کرنے والی افواہوں کو جگہ دے دی گئی ہے۔ ان انتہا پسندانہ تصورات کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ بعض اصطلاحات حدیث (مثلاً صحیح، حسن، ضعیف) کا اس طرح ترجمہ کر کے پیش کیا گیا جس سے تاثر بنے کہ احادیث کے مجموعوں میں گویا ہر قسم کی سنی سنائی کہانیاں اور قصے شامل ہیں۔

ان تمام غلط فہمیوں اور بعض اوقات شعوری طور پر گمراہ کرنے کی ان کوششوں سے یہ نتیجہ نکالنا مقصود تھا کہ دینی علوم سے غیر متعارف ذہن اس نہج پر سوچنا شروع کر دیں کہ ایک مسلمان کے لیے زیادہ محفوظ یہی ہے کہ وہ قرآن کریم پر اکتفا کر لے اور حدیث کے معاملہ میں پڑ کر بلاوجہ اپنے آپ کو پریشان نہ کرے۔ اسی گمراہ کن طرز عمل کے نتیجہ میں بعض حضرات اپنے آپ کو اہل قرآن کہنے لگے۔

ہمارے خیال میں یہ دین اسلام کی بنیادوں کو نقصان پہنچانے کی ایک سوچی سمجھی حکمت عملی تھی۔ اس غلط فکر کی اصلاح الحمد للہ امت مسلمہ کے اہل علم نے بروقت کی اور اعلیٰ تحقیقی و علمی سطح پر ان شکوک و شبہات کا مدلل، تاریخی اور عقلی جواب فراہم کیا۔

دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے مطالعہ حدیث کورس ایک ایسی طالب علمانہ کوشش ہے جس میں مستند اور تحقیقی مواد کو سادہ اور مختصر انداز سے ۲۴ دروس (Units) میں مرتب کیا گیا ہے اس میں جن موضوعات سے بحث کی گئی ہے ان میں :

مفہوم و معنی	مصطلحات
تاریخ و تدوین	عقائد
ارکان اسلام	اخلاقی تعلیمات

وغیرہ شامل ہیں۔

ہماری کوشش ہے کہ ان دروس کے ذریعے سے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچ سکیں اور مستند اسلامی مآخذ کی مدد سے ان شکوک و شبہات کا ازالہ کریں جو بعض مستشرقین نے پھیلائے ہیں اور علوم حدیث، یا حدیث کے بارے میں مثبت اور مصدقہ معلومات ان طالبان علم تک پہنچائیں جو باقاعدہ دینی مدارس و جامعات میں حدیث کے موضوع پر تعلیم و تحقیق کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

ان دروس کو معروف و مستند عالم دین مولانا حبیب الرحمٰن ریسرچ فیلو، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد نے تحریر کیا ہے۔ تمام دروس پر دعوۃ اکیڈمی کے محققین مولانا رضا احمد صاحب اور مولانا محمد احمد زبیری صاحب نے دیدہ ریزی کے ساتھ نظر ثانی کی ہے اور ان کی اردو ادارت کے فرائض دعوۃ کے ایڈیٹر جناب محمد شاہد رفیع نے انجام دیئے ہیں۔ ان دروس کی تیاری میں شعبہ تحقیق کے سربراہ ڈاکٹر محمد جنید ندوی صاحب کی شبانہ روز محنت یقیناً لائق تحسین ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دعوت دین کی یہ کوشش بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگی اور دین کی تعلیم کے فہم میں آسانی پیدا کرے گی۔

ان دروس میں جن موضوعات سے بحث کی گئی ہے ان پر متعلقہ حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ طالبان علم براہ راست ان مصادر کا مطالعہ بھی کر سکیں۔ ہر یونٹ کے ساتھ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات کو جانچنے کے بعد دعوۃ اکیڈمی کورس مکمل کرنے والوں کو سرٹیفکیٹ جاری کرے گی۔ اس سلسلہ میں آپ کے مشورے اور تنقید و تبصروں سے ہمیں ان اسباق کو مزید بہتر بنانے میں غیر معمولی امداد ملے گی اس لیے بلا تکلف اپنی رائے، تنقید و مشورے سے ہمیں مطلع کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد
ڈائریکٹر جنرل
دعوۃ اکیڈمی

تعارف

مطالعہ حدیث کورس کا یہ تیسرا یونٹ ہے۔ اس میں تقدیر' ملائکہ اور آسمانی کتابوں پر ایمان کے حوالہ سے بحث کی گئی ہے۔ کوئی شخص ان تینوں عقائد کو مانے بغیر مومن نہیں ہو سکتا۔ مومن ہونے کے لیے ان پر ایمان ضروری ہے۔

تقدیر کا مسئلہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے لہذا اس کی پوری حقیقت تک انسان اپنی عقل سے نہیں پہنچ سکتا۔ دراصل انسانی عقل و فکر کا مختصر سا دائرہ اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔ مذہب و ملت کے بڑے بڑے محققین نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا لیکن آخری حقیقت اس سے آگے نہیں بڑھی :

"کہ حیرت گرفت آستینم کہ قسم"

لیکن متعدد مسلمان علماء نے اس نازک مسئلہ کو بھی اس خوبی اور معقولیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا کہ اسلام کا سب سے زیادہ معقول مسئلہ ہی مسئلہ تقدیر نظر آنے لگا۔ بے شمار علماء اہل سنت پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کو خود سمجھا' اپنے وقت کی زبان میں اسے سمجھایا بلکہ اسے پانی کی طرح سہل بنا کر حلق سے نیچے اتار دیا۔

اس نازک موضوع پر زیادہ تفصیل سے اس مختصر سے یونٹ میں تو نہیں لکھا جا سکتا تھا۔ البتہ اس مسئلہ کے اہم پہلوؤں کو احادیث کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مسئلہ کی اساس ان بنیادی سوالات پر ہے کہ انسان اپنے اعمال میں بالکل مجبور ہے یا کسی حد تک آزاد ہے ؟ اگر مجبور ہے تو کتنا مجبور ہے اور اس کے اثرات انسان کی زندگی میں کس حد تک ہیں ؟ جزا و سزا کے استحقاق کی بنیاد کیا ہے ؟ ان سوالات کا جواب احادیث کی روشنی میں دیا گیا ہے۔

یونٹ کے دوسرے حصے میں فرشتوں پر ایمان کی ضرورت و اہمیت اور کائنات کے نظام میں ان کی حیثیت پر مختصراً بحث کی گئی ہے۔ اس حصہ میں آسمانی کتابوں پر ایمان کی اہمیت و ضرورت اور حیثیت واضح کی گئی ہے۔ تمام آسمانی کتابیں چونکہ ایک سرچشمہ سے نکلی ہیں اس لیے مومن کا کام یہ ہے کہ حق جہاں جہاں اور جس شکل میں بھی آیا ہو اس سے استفادہ کرے یعنی اس کے آگے سر جھکا دے اور اس پر کماحقہ عمل کرے۔

آیات قرآنی

تقدیر پر ایمان :

۱۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا. (الطلاق ۶۵:۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے' اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے' اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

۲۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر ۵۴:۴۹)

ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحدید ۵۷:۲۲)

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمھارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اسے نازل کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتہ تقدیر) میں نہ لکھ رکھا ہو

۳۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحج ۲۲:۷۰)

کیا تم نہیں جانتے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

احادیث نبوی

کوئی شخص تقدیر پر ایمان کے بغیر مومن نہیں ہو سکتا :

۱۔ عن علیؓ قال قال رسول اللهﷺ لا یؤ من عبد حتی یؤمن بأربع یشهد ان لااِله الاالله وأنی رسول الله بعثنی بالحق ویؤمن بالموت ویؤمن بالبعث بعدالموت ویؤمن بالقدر

(جامع ترمذی: ابواب القدر)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمﷺ نے فرمایا : کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے' (۱) یہ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے (۲) اور یہ کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا برحق رسول ہوں' (۳) مرنے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لائے اور (۴) تقدیر پر ایمان لائے۔

۲۔ عن ابن الدیلمی قال أتیت ابی بن کعب فقلت له قدوقع فی نفسی شئی من القدر فحد ثنی لعل الله أن یذهبه من قلبی' فقال لو أن الله عذب اهل سمواته واهل أرضه عذبهم و غیر ظالم لهم ولو رحمهم کانت رحمته خیرالهم من اعمالهم ولوانفقت مثل أحد ذهبا فی سبیل الله ما قبله الله منك حتی تؤمن بالقدر و تعلم أن ما أصابك لم یکن لیخطئك وان ما اخطاك لم یکن لیصیبك ولومت علی غیر هذا لدخلت النار ثم قال أتیت عبدالله بن مسعودؓ فقال مثل ذالك ثم اتیت حذیفةؓ بن الیمان فقال مثل ذالك ثم اتیت زید بن ثابت فحد ثنی عن النبیﷺ مثل ذالك۔

(رواه احمد وابو داؤد وابن ماجه:ابواب القدر)

ابن دیلمیؒ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابی رسول) ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ : تقدیر کے سلسلہ میں میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہو گیا ہے لہذا آپ اس کے متعلق کچھ بیان فرمائیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (شاید میرا دل مطمئن ہو جائے) انہوں نے فرمایا :

سنو اگر اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے تو وہ اس فعل میں ظالم نہیں ہو گا اور وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نواز دے، تو اس کی یہ رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہو گی (یعنی یہ محض اللہ کا فضل واحسان ہو گا) اور اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر ڈالو تو وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور تمھارا یہ پختہ اعتقاد نہ ہو کہ جو کچھ تمھیں پیش آتا ہے تم کسی طرح اس سے چھوٹ نہیں سکتے تھے، اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی سب اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اس میں ذرہ برابر تبدیلی ممکن نہیں ہے) اگر تم اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے' ابن دیلمیؒ کہتے ہیں کہ: ابی بن کعبؓ سے یہ بات سننے کے بعد میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، پھر میں زید بن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے یہی بات رسول اکرم ﷺ کی حدیث کے طور پر مجھے بتائی۔

مفہوم:

۱۔ تقدیر سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہو چکا ہے اور اس مقررہ پروگرام میں ذرہ برابر تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ تقدیر پر ایمان لانا ایمان کی بنیادی شرائط میں سے ایک اہم شرط ہے۔

۳۔ شیطان تقدیر کے متعلق بے شمار وسوسے اور شکوک و شبہات پیدا کرتا رہتا ہے، اس کا علاج اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کی شان کی یاد دہانی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سارے عالم کا خالق مالک ہے، وہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے بلا شبہ وہ اس کا حقدار ہے۔

۳۔ عن ابن عمر قال قال رسول ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس.

(صحیح مسلم: کتاب القدر)

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور ناقابل ہونا اور قابل وہوشیار ہونا بھی تقدیر سے ہے۔"

مفہوم :

۱۔ یعنی آدمی کی صفات قابلیت و نااہلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، عقل مندی اور بے وقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر میں سے ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے تحت ہے۔

مسئلہ تقدیر سے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ :

۴۔ **عن علیؓ قال قال رسول اللہﷺ مامن احد الاوقد کتب مقعدہ من النار و مقعدہ من الجنۃ قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل علی کتابنا و ندع العمل؟ قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ أما من کان من اھل السعادۃ فییسر لعمل السعادۃ واما من کان من اھل الشقاوۃ فییسر لعمل الشقاوۃ ثم قرأ فاما من أعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسّرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ. (صحیح بخاری و صحیح مسلم: کتاب القدر)**

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : تم میں سے ہر ایک کا دوزخ اور جنت میں ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے (اس کی جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے) صحابہؓ نے عرض کیا تو کیا ہم نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں۔آپؐ نے فرمایا : نہیں! عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے اسے سعادت اور نیکی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور جو کوئی بدبختوں میں سے ہے، اسے شقاوت اور بدبختی کے اعمال بد کی توفیق ملتی ہے، اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

فاما من أعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ (اللیل ۹۲:۵،۶)

جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں اور جس نے بخل کیا اور اپنے اللہ سے بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستہ کے لیے سہولت دیں گے۔

مفہوم:

۱۔ ہر نیک و بد کا جنت یا دوزخ ٹھکانہ مقرر ہو چکا ہے۔

۲۔ یہ بھی تقدیر الٰہی ہے کہ جو جنت میں جائے گا وہ اپنے فلاں فلاں اعمال خیر سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنے فلاں فلاں اعمال بد کی بنا پر جائے گا۔

۳۔ جب حق و صداقت کی سچے دل سے تصدیق کر لے گا تو پھر اس کے لیے گناہ کرنا مشکل اور نیکی کرنا آسان ہو گا، اور وہ مالِ حرام کو نفع کا سودا نہیں بلکہ آگ کا انگارہ سمجھے گا۔

۴۔ جب کوئی شخص حق و صداقت کے مقابلہ میں اپنی اغراض و خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے تو اس سے بھلائی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور اس کے لیے برائی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اس کے لیے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ قضاء و قدر ایک نازک مسئلہ ہے:

۵۔ **عن ابی هریرة رضی الله عنه قال خرج علینا رسول اللهﷺ و نحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجهه حتی کأنما فقئ فی وجنتیه حب الرمان فقال أبهذا أمرتم ام هذا ارسلت الیکم انما هلك من کان قبلکم حین تنازعوا فی هذا الأمر عزمت علیکم عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیه.** **(جامع ترمذی:ابواب القدر)**

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاء و قدر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ (ہماری یہ بحث سن کر) آپؐ غضبناک ہوئے۔ یہاں تک کہ چہرہ مبارک اس قدر سرخ ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا آپؐ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپؐ نے ہم سے فرمایا: "کیا تمہیں یہی حکم دیا گیا ہے، کیا مجھے دنیا میں اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے (کہ تم قضاء و قدر جیسے نازک مسئلہ پر بحث کرو) سنو، تم سے پہلے امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جب انہوں نے اس مسئلہ میں بحث و حجت کو اپنا طریقہ بنا لیا، میں تمھیں قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بحث و حجت نہ کیا کرو۔

مفہوم :

۱۔ قضاء و قدر کا مسئلہ بلا شبہ ایک نازک اور مشکل مسئلہ ہے چونکہ اس کا تعلق اللہ کی صفات سے ہے اس لیے لا محالہ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے۔

۲۔ اس حدیث میں ممانعت بحث اور نزاع سے ہے' اگر ایک شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلب کے لیے کسی صاحب علم سے سوال کرے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

۳۔ جن لوگوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہ آئے ان کے لیے تقدیر پر ایمان لانے کے بعد صحیح طریقہ کار یہی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں کسی قسم کی کٹ حجتی اور بحث کے بجائے اپنی عقل کی نارسائی اپنی کم علمی اور اپنے محدود ذہن کا اعتراف کریں اور تقدیر پر ایمان و یقین رکھیں۔

۴۔ سابقہ قوموں کی ہلاکت سے مراد گمراہی ہے۔

اہل ایمان کو برابر حسن خاتمہ کے لیے فکر مند رہنا چاہیے :

۲۔ **عن ابن مسعود رضی الله عنه قال حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق ان خلق احدكم يجمع في بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذالك ثم يكون مضغة مثل ذالك ثم يبعث الله ملكا بأربع كلمات فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقي اوسعيد ثم ينفخ فيه الروح فوالذى لا اله غيره ان احد كم ليعمل بعمل اهل الجنة حتي مايكون بينه وبينها الاذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيدخلها وان احد كم ليعمل بعمل اهل النار حتي مايكون بينه و بينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل الجنة فيدخلها.** **(صحيح مسلم: كتاب القدر)**

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق و مصدوق (سچے اور تصدیق کیے گئے) پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ : تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے' پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے' پھر اتنے ہی دنوں میں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ چار باتیں دے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے' یہ فرشتہ اس کے اعمال' اس کی مدت عمر' اور وقت موت اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت' پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پھر قسم اس ذات کی جس

کے سوا کوئی عبادت وبندگی کے لائق نہیں ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور اہل جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہء تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے' (کبھی ایسا ہوتا ہے) کہ تم سے کوئی اہل دوزخ جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہء تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنت جیسے عمل کرنے لگ جاتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

مفہوم :

۱۔ بطور تمہید حدیث کی ابتدا میں تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا بیان ہے۔

۲۔ پیدائش سے قبل ہی نوشتہ تقدیر میں اعمال' مدت حیات' رزق' موت کا وقت اور نیک وبد ہونے کی تفصیل لکھ دی جاتی ہے۔

۳۔ اس حدیث کا قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو آج اچھے اعمال کی توفیق مل رہی ہے تو اسے اسی پر مطمئن نہ ہو جانا چاہیے بلکہ زندگی کے آخری لمحہ تک مسلسل اسی پر چلنے کے لیے فکر مند رہنا چاہیے اور اس پر استقامت دکھانا چاہیے کیونکہ حسن خاتمہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

۴۔ کوئی شخص مسلسل بد اعمالیوں میں مبتلا ہو تو اسے بھی دوزخی نہیں سمجھنا چاہیے 'کیا معلوم زندگی کے کس موڑ پر اس کی زندگی کی کایا پلٹ جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کا صالح بندہ بن جائے۔

۷۔ **عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ ان قلوب بنی آدم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمن کقلب واحد یصرفہ کیف یشاء ثم قال رسول اللہ ﷺ اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك. (صحیح مسلم: کتاب القدر)**

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بنی آدم کے تمام قلوب (دل) اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں 'ایک دل کی طرح' وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی : اے دلوں کے پھیرنے والے' ہمارے دل اپنی اطاعت وبندگی کی طرف پھیر دے۔

مفہوم :

۱۔ یہ بات یقینی ہے کہ انسان اپنی تقدیر بنانے پر قادر نہیں جو طاقت پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے وہی انسان کی تقدیر بھی بناتی ہے البتہ اس کا ایک حصہ انسان کے دائرہ اختیار میں بھی ہے۔

۲۔ اللہ کا علم سابق انسان کے تمام آنے والے واقعات و حالات پر حاوی ہے۔

۳۔ قدرت نے انسان کو ایک محدود پیمانے پر کچھ اختیارات اور آزادی بھی دی ہے۔

۴۔ انسان جو بھی کام کرنا چاہتا ہے' تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اس کو کرتا ہے' اسی لیے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضہء قدرت میں ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔

۸۔ **عن سلمان رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ لا یردالقضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر.** **(جامع ترمذی: ابواب القدر)**

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قضاء کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا' اور عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کرتی مگر نیکی۔

مفہوم :

۱۔ قضاء و قدر کی دو قسمیں ہیں ایک قضاء مبرم اور دوسری قضاء معلق۔

۲۔ قضائے مبرم اٹل ہے۔

۳۔ قضاء معلق وہ ہے جو توبہ اور دعا سے بدل جاتی ہے۔

۴۔ نبی ﷺ کے ارشاد کا مطلب واضح ہے کہ جو قضا دعا نہ کرنے کی صورت میں نافذ ہونے والی ہو وہ دعا کرنے سے پلٹ جاتی ہے۔ اور وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی بدل دیتا ہے۔

۹۔ **عن علی بن طالب قال قال رسول اللهﷺ أن رسول اللهﷺ طرقه وفاطمة بنت رسول اللهﷺ فقال لهم رسول اللهﷺ ألا تصلون؟ قال علیؓ فقلت یا رسول الله إن أنفسنا بیدالله فاذا ان یبعثنا بعثنا فانصرف رسول اللهﷺ حین قال له ذالك ولم یرجع الیه شیئا ثم سمعته وهو مدبر**

یضرب فخذہ وھو یقول و کان الانسان اکثر شیٔ جدلا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک موقع پر رات کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، اور پوچھا کہ تم لوگ نماز تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے 'میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہیگا اٹھا دے گا' یہ جواب سن کر نبی اکرم ﷺ واپس ہو گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا' جب واپس جارہے تھے' تو میں نے سنا آپؐ ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے: ''انسان بہت جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''

مفہوم:

۱۔ حضرت علیؓ کی عبادت و ریاضت کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس لیے یہ عذر کہ ''ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہے گا اٹھا دے گا'' نماز تہجد سے اٹھنے سے کوئی انحراف نہیں تھا۔

۲۔ البتہ بعض مرتبہ کسی عمل کا ارادہ رکھنے کے باوجود انسانی فطرت اپنی گزشتہ فرد گذاشت کا وقتی عذر کر دیتی ہے' اس عذر کی نوعیت بھی اسی قسم کی تھی۔

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنا اختیار دیا ہے اسی کی وجہ سے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اس لیے جبری تقدیر کا عذر کرنا بے موقعہ عذر ہے۔

عقیدہ تقدیر کا عملی زندگی میں فائدہ:

۱۰۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتسئال المرأۃ طلاق أختھا لتستفرغ صحفتھا ولتنکح فانما لھا ما قدر لھا. (بخاری: کتاب القدر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت کو یہ نہ چاہیے کہ وہ دوسری عورت کی طلاق کا اس نیت سے مطالبہ کرے کہ جو اس کے نصیب کا لکھا ہے وہ بھی سب یہی حاصل کر لے۔

مفہوم:

۱۔ یعنی عورت کی یہ تدبیر لاحاصل ہے۔ اس کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے'

خواہ شوہر یہ شرط قبول کرے یا نہ کرے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر مضبوط ایمان ہو اور نہ کوئی کسی کو اپنے رزق کا چھیننے والا سمجھے اور نہ کسی انسان کو رزق دینے والے سمجھے تو حسد، بغض، کینہ پروری اور بے شمار دوسری وہ خرابیاں جنہوں نے دنیا سے سکون واطمینان چھین لیا ہے، ختم ہو سکتی ہیں۔

۱۱۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال أصبنا سبیا فکنا نعزل فسألنا رسول اللہﷺ فقال انکم تفعلون قالھا ثلاثا:"مامن نسمۃ کائنۃ الی یوم القیامۃ الاھی کائنۃ". (بخاری : کتاب العتق)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ (ایک غزوہ میں) بہت سی لونڈیاں ہمارے ہاتھ آئیں ہم نے ان سے تمتع کیا مگر ہم نے عزل کیا (تاکہ اولاد نہ ہو) پھر ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس کا حکم دریافت کیا تو آپؐ نے سنتے ہی فرمایا "کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو"؟ یہی سوال تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا قیامت کے دن تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو پیدا ہو کر ہی رہیں گے۔"

مفہوم :

۱۔ اگر تقدیر پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ کے "رزاق" ہونے کی شان معلوم ہو تو پھر معاشی اور تمدنی مشکلات کا حل نہ تو اسقاط حمل، منع حمل اور ضبط ولادت میں تلاش کیا جائے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے انتظام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۲۔ تقدیر پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہتا ہے، تقدیر الٰہی پر ایمان لانے کے عظیم فائدے ہیں۔

۱۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہﷺ المومن القوی خیرواحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ما ینفعك واستعن باللہ ولا تعجزوان اصابك شیء فلا تقل لو انی فعلت کان کذاو کذا ولکن قل قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطان۔

(رواہ مسلم: کتاب القدر)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مضبوط مومن کمزور سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ

پیارا ہوتا ہے اور یوں ہیں دونوں ہی بہتر (یاد رکھو) جو چیز تم کو نفع رساں ہو اس کے لیے حریص بنے رہنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے مدد مانگا کرنا اور درماندہ بن کر سعی کرنے سے بیٹھ مت رہنا اور اگر کبھی کوئی نقصان ہو جائے تو یہ مت کہنا۔ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا بلکہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یونہی مقدر فرمادیا تھا۔ لہذا جیسا اس نے چاہا تھا اسی کے موافق ہو گیا۔ کیونکہ اس "اگر" کے کلمہ سے آئندہ شیطانی عقیدہ کا دروازہ کھلتا ہے (یعنی تدبیر کی حاکمیت)۔

مفہوم :

۱۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کے اسماء و صفات کا مظہر بنا رہے۔ مثلاً اس کا اسم مبارک "القوی" ہے تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ مومن بھی قوی ہو۔ وہ جمیل ہے اس لیے وہ جمال کو بھی پسند فرماتا ہے، وہ علیم ہے اس لیے علماء کو پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کا اسم محسن اور صابر بھی ہے اس لیے وہ محسنین اور صابرین کو بھی پسند فرماتا ہے۔

۲۔ جو مسئلہ یہاں ہمارے موضوع بحث سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں حریص بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ حرص کے معنی یہ ہیں کہ جدوجہد کی جو طاقت بندہ میں ودیعت فرمائی گئی ہے اس کو اپنی معاش و معاد میں ختم کر ڈالنا، لیکن یہ حرص کمال اسی وقت شمار ہو گی جبکہ ہو ان ہی چیزوں میں جو اس کے لیے نفع رساں ہوں، پس مومن قوی وہی ہے جس میں حرص کا مادہ موجود ہو اور ہر نیکی میں وہ مسابقت کے لیے تیار رہے۔ "**وفی ذلك فليتنا فس المتنافسون**" معاصی اور گناہوں پر حرص کرنا اتنا ہی بڑا عیب بھی ہے۔ چونکہ یہ حرص بھی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہی اس لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں بھی مدد طلب کرنی چاہیے۔

۳۔ حدیث کہتی ہے جو شخص مفید اور نافع اعمال میں حریص نہیں وہ عاجز انسان ہے۔ کمال عاجز بن جانے میں نہیں ہے بلکہ کامیابی کے لیے جان توڑ کوشش کرنے میں ہے اور یہ سمجھ کر کرنے میں ہے کہ جو ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے ہماری یہ کوشش سب اسی کے لیے ہے، پس تدبیر کرنا تو ضروری ہوا مگر اس کو حاکم بنا کر نہیں بلکہ تقدیر کا محکوم سمجھ کر۔

۴۔ اب اگر تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اسباب کر لینے کے بعد بھی مقصد بر آری نہ ہو سکی تو یہ کہنے لگنا اگر ہم یوں کرتے تو کامیاب ہو جاتے یہ بھی درحقیقت تقدیر کا محکوم بنانے کے مرادف ہے۔ اس لیے یہ عبد مومن

کی شان نہیں، یہ شیطان کی حرکت ہے۔ کیونکہ اب "اگر" "اگر" کہنے سے سوائے ندامت، پشیمانی اور افسوس کے ہوتا ہی کیا ہے، جو مقدر تھا وہ تو واقع ہو ہی چکا لہذا اب اس دروازہ کو کھولنے سے نفع! ہاں جدوجہد کے بعد بھی جب مقصد حاصل نہ ہو تو اب اس کو قضاء الٰہی کے حوالہ کر دینا یہ مومن کی شان ہے اور یہ اس کے لیے باعث تشفی و تسکین بھی ہے۔ پس ظہور نتائج سے قبل تدبیر سے غفلت کا نام تو عجز ہے، اعتماد علی التقدیر نہیں اور نتائج کے خلاف ہونے کی صورت میں اپنی ضعف تدبیر کو یاد کرنا عمل شیطانی ہے اور اس کو تقدیر الٰہی کے سپرد کر دینا یہ شانِ مومن ہے۔

۵۔ خلاصہ یہ کہ قضاء و قدر اپنی جگہ ہیں اور کسب و اختیار اپنی جگہ، اور شانِ مومن اسی میں ہے کہ کامیابی ہو یا ناکامی دونوں حالتوں میں وہ اپنی بندگی اور عبودیت کو قائم رکھے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے معاملات کے لیے پوری جدوجہد کرے، پھر اگر نتیجہ موافق بر آمد ہو تو اس پر اترائے نہیں اور اگر خلاف ہو جائے تو بے صبری بھی نہ دکھائے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ **لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ**(الحدید) "تاکہ اس پر تم غم نہ کھایا کرو جو تم کو حاصل نہ ہو سکا اور نہ اس پر شیخی مارا کرو جو تم کو عطا فرمایا۔"

تقدیر پر ایمان

اعمال کی ذمہ داری اور جوابدہی اور ان پر تعریف یا مذمت اور جزا یا سزا کا استحقاق کس بات پر ہے؟ انسان اپنے اعمال میں بالکل آزاد ہے' بالکل مجبور ہے یا اسے کسی حد تک آزادی حاصل ہے اور وہ کسی حد تک مجبور ہے؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا مسئلہ تقدیر سے گہرا تعلق ہے۔

یہاں ایک اصولی بات پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ جن مسائل کا تعلق ماورائے طبعی امور سے ہے ان کے بارے میں اسلام کی صحیح تعلیم یہ ہے کہ جن چیزوں کا جاننا اور جس حد تک جاننا ضروری تھا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے بتا دی ہیں۔ اس سے زیادہ کا کھوج لگانا اور ایسی باتوں میں الجھنا جن کے نہ جاننے سے ہمیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے اور ان کے متعلق ہمارے پاس یقینی معلومات بھی نہیں ہیں' لاحاصل بھی ہے اور خطرناک بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے" نبی ﷺ نے تقدیر کے مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے دائرۂ علم میں نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام ٦:١٠٣)

"نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں وہ نگاہوں کو پالیتا ہے' وہ نہایت باریک ہے اور باخبر ہے۔"

تقدیر کا معنی اور اس کی حقیقت:

لغت میں تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں مثلاً مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کیا جاتا ہے تاکہ عمارت اس نقشہ کے مطابق بنائی جائے اس طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جب حق جل شانہ نے اس کارخانہ قدرت کو بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنالیا اور ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ کرلیا۔ اسی اندازہ خداوندی اور ازلی علم کا نام تقدیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم میں اندازہ کرلیا کہ

فلاں وقت فلاں جگہ چیز اس طرح ہو گی۔ فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا اور فلاں شخص کفر کرے گا۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق ۶۵:۳)

اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر (اندازہ) مقرر کر رکھی ہے

حاصل یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ کے اپنے علم ازلی سے کائنات کا اندازہ قائم کرنے کا نام تقدیر ہے اور پھر کائنات اس اندازہ کے مطابق بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے۔ عام طور پر لفظ قضاء و قدر اکٹھا بولا جاتا ہے۔

قضاء و قدر حق ہے یہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے باہر نہیں ہے اس کے اندازے اور علم ازلی میں کسی قسم کی غلطی اور خطا کا امکان نہیں ہے۔ البتہ بندوں سے ان کے افعال پر باز پرس ہو گی۔ اطاعت پر جزا اور معصیت پر سزا ملے گی۔ کوئی شخص اپنے افعال اور اعمال کے عذر میں تقدیر کو نہیں پیش کر سکتا مثلاً کوئی چوری کرے یا بدکاری کرے اور عذر یہ کرے کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہوا تھا تو یہ عذر اللہ تعالیٰ کی گرفت اور مواخذے سے بچنے کے لیے کافی نہیں کیونکہ کسی کو تقدیر کا علم تو نہیں ہے اور یہ جرم اس نے کسی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ پوری رضا اور رغبت سے اور اپنی پوری قدرت و استطاعت کے ساتھ کیا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ بندہ تو مجبور ہے، تقدیر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا محض شیطانی دھوکہ اور فریب ہے، کیونکہ کسی چیز کے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونے سے بندہ مجبور اور بے بس نہیں ہو جاتا جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ اگرچہ وہ ارادہ اور اختیار بھی اللہ ہی کی طرف سے بندہ کو ملا ہے بندہ خداداد قدرت اور اختیار سے قادر اور مختار کہلاتا ہے۔ جس طرح انسان کی آنکھیں اور کان اختیاری نہیں لیکن دیکھنا اور سننا اختیاری ہے اسی طرح بندے کا اختیار اختیاری نہیں ہے لیکن بندے کا فعل اختیاری ہے، اس لیے علماء کہتے ہیں کہ بندہ اپنی صفت اختیار میں خود مختار نہیں ہے مگر اپنے افعال و اعمال میں مختار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے افعال اور اعمال کا جوابدہ بھی ہے اور جزا و سزا کا مستحق بھی ہے۔

ب) مسئلہ قضاء و قدر کے بیان کا مقصد :

قضا و قدر کے مسئلہ پر جو اشارات کلام اللہ یا سنت رسول میں آتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے انسان میں قناعت، یکسوئی، توکل علی اللہ، صبر و استقامت اور دنیوی طاقتوں سے بے خوفی پیدا کی جائے اور اس میں ایسی اخلاقی

قوت بھر دی جائے جس کی موجودگی میں مایوسی' پریشانی' خوف' حسد' رشک اور لالچ اس کے قریب پھٹکنے نہ پائیں اور اس قوت کے ذریعہ سے وہ نیکی و صداقت پر قائم رہے' اس کی خاطر سخت سے سخت مشکلات برداشت کرے' آزمائشوں میں ثابت قدم رہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نقصان اور مضرت پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو اور وہ کسی سے ذرہ برابر فائدہ کی امید نہ رکھے' بے سروسامانی میں ہمت نہ ہارے اور نہ سروسامان پر بے جا اعتماد کرے۔

قال الله تعالیٰ:

۱. اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ.

(البقرہ ۲ :۲۸۵)

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔

۲۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا.

(النساء۴ :۱۳۶)

جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور آخرت کے دن سے انکار کیا تو وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔

۳۔ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ.

(الانبیاء۲۱ : ۱۹'۲۰)

زمین و آسمانوں میں جو مخلوق بھی ہے اللہ کی ہے اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں' شب و روز اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' دَم نہیں لیتے۔

۴۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ.

(فاطر۳۵ :۱)

تعریف اللہ ہی کے لیے جو آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے (ایسے فرشتے) جن کے دو دو تین تین اور چار چار بازو ہیں۔

۵۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

(البقرہ۲: ۴)

اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس (کتاب) پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ان سب (کتابوں) پر جو آپ سے پہلے اتاری گئیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

۶۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ.

(البقرہ۲: ۱۳۶)

مسلمانو، کہو کہ ! ہم ایمان لائے اللہ اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور دوسرے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے کسی میں بھی، اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ

فرشتوں پر ایمان :

۱۳۔ عن ابی ہریرۃؓ قال: کان النبی ﷺ بارزا یوما للناس فاتاہ جبریل فقال: ماالایمان قال: الایمان أن تؤمن باللہ وملائکتہ و بلقائہ ورسلہ وتؤمن بالبعث (مسلم: کتاب الایمان)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے۔ اس دوران جبریلؑ آئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا! "ایمان کیا ہے ؟" آپؐ نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر' فرشتوں پر اللہ سے ملاقات پر' اس کے رسولوں پر اور دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین رکھے"

مفہوم : فرشتوں پر ایمان میں چار باتیں شامل ہیں :

۱۔ فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا۔

۲۔ جن کے نام معلوم نہیں ان پر اجمالی ایمان اور جن فرشتوں کے نام معلوم ہیں ان پر ان کے نام کے ساتھ ایمان لانا۔

۳۔ فرشتوں کی جن صفات یا کیفیات کا ہمیں قرآن وحدیث کے ذریعہ سے علم ہو جائے ان صفات وکیفیات پر ایمان لانا۔

۴۔ فرشتے جن کاموں پر مامور ہیں ان پر ایمان لانا۔

۱۴۔ عن ابی ہریرۃؓ اذا أحب اللہ العبد نادیٰ جبریل ان اللہ یحب فلانا فأحبہ فیحبہ جبریل فینادی جبریل فی اھل السماء: ان اللہ یحب فلاناً فأحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض.

(صحیح بخاری: کتاب التوحید)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبریلؑ کو بلا کر کہتے

ہیں : اللہ تعالیٰ فلاں محبت کرتا ہے تم بھی اس محبت کرو' چنانچہ جبریلؑ اس محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبریلؑ آسمان والوں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فلاں محبت کرتا ہے' تم بھی اس محبت کرو' چنانچہ آسمان والے بھی اس محبت کرنے لگتے ہیں' پھر اس کی مقبولیت زمین میں کر دی جاتی ہے۔

مفہوم :

۱۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں فرشتے بھی محبت کرتے ہیں اور اہل زمین بھی اس محبت کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ لوگوں فرشتے بھی نفرت کرتے ہیں اور دنیا میں بھی اس کو عزت اور مقبولیت کا مقام نہیں ملتا۔

۲۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس اللہ تعالیٰ کی عظمت' قوت اور وسیع سلطنت کا علم ہوتا ہے کیونکہ مخلوق کی عظمت خالق کی عظمت سمجھ میں آتی ہے۔

۱۵۔ عن ابی ھریرہ قال قال النبی: اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول فاذا جلس الامام طووا الصحف وجاؤوا یستمعون الذکر۔

(صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : "جمعہ کے روز مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے آجاتے ہیں' ہر ہر آدمی کو نوٹ کرتے جاتے ہیں کہ پہلے کون آیا اور بعد میں کون' پھر جب امام (منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو رجسٹر بند کر کے خطبہ سننا وع کر دیتے ہیں۔

مفہوم :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف ذمہ داریاں پی ہیں کچھ فرشتے لوگوں کی حفاظت پر مامور ہیں' کچھ لوگوں کا اعمال نامہ لکھنے پر اور کچھ دوسرے کاموں پر۔

۲۔ جمعہ کی فضیلت اور اجر و ثواب کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو بروقت (امام کے منبر پر آنے پہلے) جمعہ کی نماز میں یک ہوتے ہیں۔

۱۶۔ عن عائشہ ام المؤمنین انھا قالت اول مابدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة

فی النوم فکان لایری رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء وکان یخلوا بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل أن ینزع الی اهله ویتزود لذلك ثم یرجع الی خدیجه فیتزود لمثلها حتی جاء ہ الحق وهو فی غار حراء فجاء ہ الملك فقال اقرء فقال قلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرء فقلت ما انا بقاری فأخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرء فقلت ما انا بقارئ قال فأخذنی فغطنی الثالثه ثم ارسلنی فقال "اقرء باسم ربك الذی خلق ο خلق الانسان من علق ο اقرء وربك الاکرم" فرجع بها رسول اللهﷺ یرجف فؤاده فدخل علی خدیجةؓ بنت خویلد فقال: زملونی زملونی' فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال لخدیجةؓ واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی' فقالت خدیجة کلا والله مایخزیك الله أبدا انك تصل الرحم و تحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف و تعین علی نو ائب الحق فانطلقت به خدیجة حتی اتت به ورقة ابن نوفل ابن اسد ابن عبدالعزی ابن عم خدیجه وکان امرأ تنصّر فی الجاهلیة وکان یکتب الکتاب العبرانی.فیکتب من الانجیل بالعبرانیة ماشاء الله ان یکتب وکان شیخا کبیرا قدعمی' فقالت له خدیجةؓ یا ابن عم اسمع من ابن أخیك فقال له ورقة یا ابن أخی ماذا تریٰ فأخبر رسول اللهﷺ خبر ماارای فقال له ورقة هذا النا موس الذی نزل الله علی موسیٰ یا لیتنی فیها جذعًا یالیتنی أکون حیا اذ یخرجك قومك فقال رسول اللهﷺ اَوَ مخرجی هم؟ قال نعم لم یأت رجل قط بمثل ماجئت به اِلّاعُوْدِیَ وان یدرکنی یومك انصرك نصرا مؤزرا ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی۔ (رواه البخاری : باب کیف کان بدء الوحی)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہﷺ پر اتری شروع ہوئی وہ اچھے اچھے خواب تھے' جو بحالت نیند آپؐ دیکھتے تھے' چنانچہ جب بھی آپؐ خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا' پھر آپ تنہائی پسند ہو گئے' اور غار حراء میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو' وہاں کئی راتیں عبادت میں صرف کرتے' اس کے لیے توشہ لیتے' پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لیتے' یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے' حق آیا' چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا' اور کہا پڑھ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ بیان کرتے ہیں' کہ مجھے فرشتے نے پکڑا اور مجھے زور سے دبایا' یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی' پھر مجھ کو چھوڑ دیا' اور کہا پڑھ' میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'

پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا' یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی' پھر مجھے چھوڑا اور کہا پڑھ' میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپؐ فرماتے ہیں کہ پھر تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا' پھر چھوڑ دیا اور کہا: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو خونِ بستہ سے پیدا کیا' پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کو دہرایا' اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا' چنانچہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھادو' مجھے کمبل اڑھادو' تو لوگوں نے کمبل اڑھادیا' یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا' حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا' کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے' حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں' خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں' ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں' محتاجوں کے لیے کماتے ہیں' مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں' پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے' ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے' چنانچہ انجیل سے عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے جس قدر اللہ چاہتا' نابینا اور بوڑھے ہو گئے تھے' ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا۔ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو! آپ سے ورقہ نے کہا' اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا بیان کر دیا' ورقہ نے آپ سے کہا' کہ یہی وہ ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر نازل فرمایا تھا' کاش میں جوان ہوتا' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا' جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا' ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے' اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا' اس سے دشمنی کی گئی' اگر میں تیرا زمانہ پاؤں' تو میں تیری پوری مدد کرونگا' پھر زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا' اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لیے بند ہو گیا۔

مفہوم:

۱۔ اس حدیث میں وحی کے آغاز کا ذکر ہے کہ وحی کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی اور جبریلؑ سب سے پہلے کون سی وحی لائے۔

۲۔ حضرت جبریلؑ کبھی انسانی صورت میں بھی نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لاتے تھے۔

عن عائشة ان الحارث بن هشام قال يا رسول الله ﷺ كيف يأتيك الوحي فقال رسول الله ﷺ احيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس وهو اشده علّي فيفصم عني وقدوعيت عنه ما قال واحيانا يتمثل لي الملك رجلا فيكلمني فاعي مايقول' قالت عائشة ولقد رأيتهٗ ينزل عليه الوحي في اليوم

الشدید البرد فیفصم عنه وانّ جَبِیْنَهٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔ (صحیح بخاری : کیف کان بدء الوحی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے آنحضور ﷺ سے پوچھا : اے رسول خدا آپ پر وحی کس طرح آتی ہے ؟ جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا بسا اوقات تو وحی گھنٹی کی آواز کی طرح سنائی دیتی ہے۔ وحی کی یہ صورت مجھ پر بڑی گراں ہوتی ہے' جب وہ کیفیت مجھ سے ختم ہوتی ہے تو میں ساری وحی کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی ایک فرشتہ انسانی شکل میں میرے روبرو آکر بات کرتا ہے تو میں اس کی ساری باتیں یاد کر لیتا ہوں۔

مفہوم :

۱۔ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر وحی آنے کی ابتداء ہی سچے خوابوں سے ہوئی تھی (بخاری و مسلم) یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا ہے' چنانچہ احادیث میں آپ کے بہت سے خوابوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں آپ کو کوئی تعلیم دی گئی ہے' یا کسی بات پر مطلع کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی آپ کے ایک خواب کا صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ (الفتح ۲۷) اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ فلاں بات میرے دل میں ڈالی گئی ہے یا مجھے یہ بتایا گیا ہے' یا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے' یا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی تمام چیز وحی کی پہلی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور احادیثِ قدسیہ بھی زیادہ تر اسی قبیل سے ہیں۔

۲۔ معراج کے موقع پر حضور ﷺ کو وحی کی دوسری قسم سے بھی مشرف فرمایا گیا۔ متعدد صحیح احادیث میں حضورؐ کو پنج وقتہ نماز کا حکم دیئے جانے اور حضورؐ کے اس پر بار بار عرض معروض کرنے کا ذکر جس طرح آیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ اور اس کے بندے محمد ﷺ کے درمیان ایسا ہی مکالمہ ہوا تھا جیسا وادیٔ طور میں حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوا۔

۳۔ رہی تیسری قسم' تو اس کے متعلق قرآن خود ہی شہادت دیتا ہے کہ اسے جبریلؑ امین کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا گیا' جیسا کہ البقرہ ۹۷' اور الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵ میں ارشاد ہوا ہے۔

مزید توضیح : نبی ﷺ پر وحی مختلف طریقوں سے آتی تھی۔ اس کی تفصیل علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس طرح کی ہے :

۱۔ سچا خواب، یہ نبی ﷺ پر وحی کی ابتدائی صورت تھی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ اس طرح صاف صاف آتا تھا جیسے سپیدۂ صبح۔

۲۔ فرشتہ آپؐ کے ذہن و قلب میں ایک بات ڈالتا تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ آپ کو نظر آئے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ روح القدس (جبریلؑ) نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے (یا پھونکی ہے) کہ کوئی متنفس ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ اپنے حصے کا پورا رزق نہ پالے لہٰذا اللہ سے ڈر کر کام کرو اور طلب رزق کا اچھا طریقہ اختیار کرو اور رزق میں تاخیر تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی نافرمانی کے ساتھ طلب کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے (یعنی اس کا انعام) وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتہ آپ کے سامنے بصورتِ انسان نمودار ہو کر بات کرتا تھا اور اس وقت تک مخاطب رہتا تھا جب تک کہ آپ اس کی بات پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیں۔ اس صورت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صحابہؓ نے بھی اس کو دیکھا ہے۔

۴۔ وحی سے پہلے آپؐ کے کان میں ایک گھنٹی سی بجنی شروع ہوتی تھی اور اس کے ساتھ پھر فرشتہ بات کرتا تھا۔ یہ وحی کی شدید ترین شکل تھی جس سے سخت جاڑے میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر آپؐ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو وہ بوجھ کے مارے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس حال میں وحی آئی کہ آپ زید بن ثابتؓ کے زانو پر سر رکھے لیٹے تھے۔ اس وقت ان پر اتنا بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے لگی تھی۔

۵۔ آپؐ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے تھے جس میں اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، پھر جو کچھ اللہ کا حکم ہوتا ہے اسے وہ آپ پر وحی کرتا تھا۔ یہ شکل دو مرتبہ پیش آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں بیان کیا ہے۔

۶۔ براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی کی جبکہ آپ معراج میں آسمانوں پر تھے اور وہاں نماز فرض کی اور دوسری باتیں ارشاد فرمائیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے توسط کے بغیر آپ سے گفتگو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی، حضرت موسیٰؑ کے لیے تو یہ مرتبہ قرآن سے ثابت ہے۔ رہے نبی ﷺ تو آپؐ کے حق میں اس کا ذکر معراج کی

حدیث میں آیا ہے۔

ان کے علاوہ بعض لوگوں نے ایک آٹھویں شکل بھی بیان کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے بے پردہ ہو کر آپ سے گفتگو کی۔ یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا مگر اس مسئلے میں سلف اور خلف کے درمیان اختلاف ہے۔"

سیوطی نے اتقان جلد اول میں ایک پوری فصل اسی مضمون پر لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

"چالیس سال کی عمر میں جب آپؐ نبی ہوئے تو ابتدائی تین سال تک اسرافیل آپ کی تعلیم وتربیت پر مامور رہے اور ان کے ذریعہ سے قرآن کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوا' پھر جبریل وحی لانے پر مقرر ہوئے اور وہ ۲۰ سال تک قرآن لاتے رہے۔ وحی کی صورتیں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ کان میں گھنٹی بجنی شروع ہوتی اور پھر فرشتے کی آواز۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلے آپ سب طرف سے توجہ ہٹا کر اس آواز کو سننے کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ کا بیان ہے کہ یہ شکل آپ کے لیے سب سے زیادہ شدید تھی۔

۲۔ آپؐ کے ذہن و قلب میں ایک بات ڈالی جاتی تھی' جیسا کہ آپؐ نے خود بیان فرمایا ہے۔

۳۔ فرشتہ آپؐ سے انسانی شکل میں آکر بات کرتا تھا' نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ ہلکی ہوتی تھی۔

۴۔ فرشتہ خواب میں آکر آپ سے بات کرتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ آپ سے براہِ راست کلام کرتا' خواہ بیداری میں یا خواب میں۔"

(الاتقان جلد اوّل ص ۴۴۔۴۵ بحوالہ سیرت سرور عالم)

تورات اور انجیل کی اطاعت نجات کے لیے کافی نہیں ہے :

عن عبداللہ ابن مسعودؓ قال جاء رجل الی النبی ﷺ: فقال یا رسول اللہ ارأیت رجلا من النصاریٰ متمسکًا بالانجیل ورجلا من الیھود متمسکًا بالتوراۃ یومن باللہ ورسولہ ثم لم یتبعک قال رسول اللہ ﷺ من سمع بی یھودی او نصرانی ثم لم یتبعنی فھو فی النار۔

(الدار قطنی: فضائل القرآن)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! ایک نصرانی شخص ہے وہ انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے حکم پر چلتا ہے وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر پھر بھی وہ آپ کے دین اور شریعت کی پیروی نہیں کرتا' تو فرمایئے اس کا کیا حکم ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس یہودی یا جس نصرانی نے میرے بارے میں سنا (یا میری دعوت اس کو پہنچ گئی) اور اس نے میری پیروی اختیار نہ کی تو وہ جہنم کی آگ میں جانے والا ہے۔

مفہوم :

۱۔ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپؐ پر ایمان نہ لائے اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو اختیار نہ کرے خواہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان ہو' تب بھی اس کی نجات ممکن نہیں ہے۔

۲۔ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو مانتا ہو' توحید کا بھی قائل ہو اور اللہ کے رسول کی بھی تصدیق بھی کرتا ہو اور تورات یا انجیل کی پیروی کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھتا ہو تو وہ نجات نہیں پا سکتا۔

فرشتوں کے ساتھ آنحضور ﷺ کی ہم کلامی :

عن جابر بن عبدالله قال قال النبی ﷺ من أكل فوما اوبصلا فليعتزلنا اوليعتزل مسجدنا وليقعد في بيته وانه اتى ببدر قال ابن وهب يعني طبقا فيه حضروات من بقول فوجد لهار يحا فسأل عنها فأخبر بما فيها من البقول فقال قربو ها الى بعض اصحابه كان معه فلما راه كره اكلها قال كل فاني اناجي من لا تناجي **(صحيح بخاری: کتاب الصلوة)**

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : جو کچا لہسن یا کچی پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے یا یہ لفظ فرمائے کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے' اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہے۔ اتفاق سے آپ کے سامنے ایک

طشت پیش کیا گیا جس میں کچھ سبزی تھی آپؐ نے اس کی بدبو محسوس کی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ اس میں لہسن یا پیاز ہے آپؐ نے جو صحابی آپؐ کے ساتھ تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ان کے سامنے رکھ دو مگر جب آپؐ نے دیکھا کہ وہ بھی اس کا کھانا پسند نہیں کرتے تو فرمایا: "تم کھالو میں تو اس لیے نہیں کھاتا کہ میں ان (فرشتوں) سے ہم کلام ہوتا ہوں جن سے تم نہیں ہوتے"۔

مفہوم:

۱۔ چونکہ مساجد فرشتوں کی آمد و رفت کے مراکز ہیں' اس لیے مسجدوں میں ایسی اشیاء سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے اس نورانی مخلوق کو اذیت ہوتی ہے۔

۲۔ اگر مساجد میں فرشتوں کا یہ احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے تو وہ بھی ان بشری مہمانوں کی دعا سے تواضع کرتے ہیں۔

۳۔ گھر میں کتار کھنے' تصاویر لٹکانے یا نجاست پھیلانے سے بھی فرشتے نہیں آتے اور ایسے لوگ فرشتوں کی صحبت اور ان کی خیر و برکت سے محروم رہتے ہیں۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب:

عن زیاد بن لبیب قال ذکر النبیﷺ شیأ فقال ذلك عند اوان ذهاب العلم' قلت یارسول الله وکیف یذهب العلم ونحن نقرأ القرآن و نقرئه أبنائنا و یقرئه ابناء نا ابنائهم فقال ثکلتك امك ان کنت لاراك من افقه رجل بالمدینة اولیس هذه الیهود والنصاری یقرؤون التوراة او الانجیل لا یعملون بشیٔ مما فیها. **(سنن ابن ماجه:الفتن)**

حضرت زیاد بن لبیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے ایک (خوفناک) چیز کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ: ایک ایسا اس وقت ہوگا جب دین کا علم مٹ جائے گا تو میں نے کہا "اے اللہ کے رسول علم کیونکر مٹ جائے گا جب کہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں' اپنی اولاد کو پڑھا رہے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنی اولاد کو پڑھاتے رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا خوب اے زیاد! میں تجھے مدینہ کا سمجھدار آدمی سمجھتا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہود اور نصاری تورات اور انجیل پڑھتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔

مفہوم :

۱۔ قرآن مجید پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، قرآن مجید کا پڑھنا، تلاوت کرنا باعث برکت اور اس پر عمل باعث نجات ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی تعلیمات اور علم دین کو صرف اسی صورت زندہ رکھا جاسکتا ہے جب ان پر عمل کیا جائے۔

فرشتوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد دوسری چیز جس پر ایمان لانے کی محمد رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے وہ فرشتوں کی ہستی ہے' اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے توحید کا اعتقاد شرک کے تمام خطروں سے پاک ہو جاتا ہے۔

فرشتے عالم غیبی کی مخلوق ہیں ہمہ وقت اللہ کی عبادت واطاعت اور اس کی تسبیح میں مصروف ہیں' اللہ تعالیٰ کے اختیارات یا عبادت میں ان کا کچھ حصہ نہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے۔ کامل اطاعت اور حکم نافذ کرنے کی بھرپور صلاحیت وقوت انہیں عطا کی ہے' ان فرشتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے واقعہ معراج کے ضمن میں مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے آسمان میں "**البیت المعمور**" پیش کیا گیا جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں جو ایک مرتبہ نماز ادا کر لیتا ہے اس کی دوبارہ باری نہیں آتی' اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی وسیع وعریض سلطنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بسا اوقات فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں مثلاً جبریلؑ امین نبی ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے۔ بعض فرشتوں کی مخصوص ذمہ داریاں ہیں۔ مثلاً :

جبریل امین علیہ السلام : انبیاء اور رسولوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے جانے پر مامور تھے۔

حضرت میکائیلؑ : بارش برسانے اور کھیتی اگانے پر مامور ہیں۔

ملک الموت : موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔

مالک : جہنم کے داروغہ ہیں

حضرت اسرافیلؑ : قیامت کے دن صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

بعض فرشتے انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں بعض فرشتوں کی ذمہ داری مرنے کے بعد میت سے سوال وجواب کی ہے جو اس کے دین کے بارے میں اور نبیؐ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ ان فرشتوں کا خدائی میں کوئی دخل نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں اور حکم الٰہی سے بال برابر سرتابی نہیں کرتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

لایعصون اللہ ما أمر هم ویفعلون ما یؤمرون (التحریم ٦٦ : ٦)

اللہ تعالیٰ جو حکم انہیں دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام کا حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے اپنی سلطنت کا انتظام کرتا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک اس کا فرمان بجا لاتے ہیں ان کو اپنے اختیار سے کچھ کرنے کی قدرت نہیں۔ یہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کوئی تجویز یا سفارش نہیں کر سکتے، چونکہ انسان خود ان کا مسجود ہے اس لیے ان کو سجدہ کرنا یا ان سے مدد مانگنا سراسر شرک اور ذلت ہے۔

فرشتوں کی حقیقت ہم کو نہیں بتائی گئی صرف ان کی صفات بتائی گئیں ہیں اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے وجود سے انکار کفر ہے فرشتوں کے انکار سے نبی ﷺ کی تکذیب ہوتی ہے۔ ہم ان برگزیدہ ہستیوں پر اس لیے یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان :

آسمانی کتابوں سے مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا ہے۔

کتابوں پر ایمان میں چار چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ اس بات پر ایمان لانا کہ یہ کتابیں واقعتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

۲۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہیں ان پر ایمان لانا مثلاً

قران حکیم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا

تورات حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی

انجیل حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی

زبور حضرت داوٗدؑ پر نازل ہوئی

جن کتابوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ان پر اجمالی ایمان کافی ہے۔

قرآن و سنت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل ڈالا ہے اور اپنی طرف سے بہت سی باتیں ان کے اندر ملا دی ہیں خود عیسائی اور یہودی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اصل کتابیں ان کے پاس نہیں ہیں اور یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام کون سا ہے اور انسان کا کلام کون سا۔

لہذا سابقہ کتابوں پر ایمان کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے

پہلے بھی دنیا کی ہر قوم کے پاس اپنی ہدایت بھیجی اور یہ کہ قرآن کریم کوئی انوکھی اور نئی کتاب نہیں ہے بلکہ اس تعلیم کو از سر نو تازہ اور واضح کرنے کے لیے بھیجی گئی ہے جسے پہلے لوگوں نے بدل ڈالا یا خلط ملط کر دیا تھا۔

قرآن مجید کی چند امتیازی خصوصیات :

۱۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس کے ایک حرف بلکہ شوشہ میں بھی تغیر نہیں ہوا۔

۲۔ قرآن کریم خالص کلام الٰہی ہے اس میں انسانی کلام کی ذرہ برابر آمیزش نہیں ہے۔

۳۔ قیامت تک ہدایت اب اس کتاب پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔

۴۔ قرآن کریم کی زبان عربی مبین ہے جو ایک زندہ زبان میں ہے اور اس کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری ہے۔

۵۔ قرآن پر ایمان اور دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان میں فرق یہ ہے کہ نازل کی گئی تھیں۔ پچھلی کتابوں پر ایمان صرف تصدیق کی حد تک ہے یعنی وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور سچی تھیں اور اسی غرض کے لیے تھیں جس کے لیے قرآن کریم نازل کیا گیا ہے اور قرآن کریم پر ایمان اس حیثیت سے ہے کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' سراسر حق ہے' اس کا ہر لفظ محفوظ ہے' اس کی ہر بات سچی ہے' اس کے ہر حکم کی پیروی فرض ہے اور ہر وہ بات جو قرآن کریم کے خلاف ہے وہ رد کر دینے کے لائق ہے۔

مصادر و مراجع (یونٹ نمبر ۳)

۱۔ جلیل احسن ندوی، سفینہ نجات، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ جلیل احسن ندوی، زادِ راہ، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء

۳۔ محمد طیب، قاری، مسئلہ تقدیر، ادارہ اسلامیات لاہور

۴۔ محمد بدر عالم، ترجمان السنۃ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۵۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مسئلہ جبر و قدر، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

۶۔ کاندھلوی، محمد احتشام الحق، معارف السنۃ، اسلامک انٹرنیشنل پبلشرز، لاہور

۷۔ نعمانی، محمد منظور، معارف الحدیث (جلد اوّل) دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

۸۔ نووی، محی الدین ابو زکریا بن شرف، ریاض الصالحین، مکتبہ مدنیہ لاہور۔